انوارِ شمسؔ

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ، کراچی، پاکستان

(۱) لکھنؤ کی صبح و شام

جب صبح کا قافلہ منزل شب طے کر کے افق لکھنؤ پر اترتا ہے تو نہیں معلوم کتنی حسن و عشق کی داستانیں بنا کے، فلسفہ و منطق کے نکتے حل کر کے، ادب و شعر کے کتنے دفتر مرتب کر کے رات رخصت ہوتی اور اذان صبح کے ساتھ نغمہ و آہنگ کا سیلاب تھمتا۔ رات کے جاگے اور تھکے ہوؤں کی خستگی بستر پر ڈال دیتی اور نسیم صبح گاہی کے جھونکے خوابِ سحر گاہی کا پیغام دیتے اور آفتاب نئے ہنگاموں کا سیلاب ڈھکیلتا افق سے سر نکالتا۔ اکھاڑوں میں پہلوانوں کا زور، گلی گلی اور گھر گھر ورزش اور سپہ گری کی مشق سے لکھنؤ پہلوانوں کا شہر معلوم ہوتا ہے۔ اطباء کے مطب کا ہنگامہ، کہاروں کا ڈولیوں پر مریضوں کو لانا، سودے والوں کی آوازیں، کھیر کے پیالے، نمش کی قفلیوں کی صدائیں، بالائی کے سکورے، دودھ کی ہانڈیاں گھروں میں عورتیں بیچتی پھرتی تھیں۔ شیرمال، تافتان، کلچے، نہاری اور بالائی کی دکانوں پر ہجوم، طلباء کا کتابیں بغل میں دبائے اساتذہ اور مدارس کی طرف جانا۔ گھڑی دن چڑھے سے دکانیں کھلنا شروع ہوتیں اور کاروباری لوگ تیزی سے اپنے کام میں مشغول ہو کے سہ پہر کے ہنگامہ کی تیاری شروع کر دیتے۔

یہ ہے لکھنؤ، مثل جس کا کوئی دنیا میں نہیں۔ اس کی تاریخ دلچسپ بھی ہے، حیرت انگیز بھی ہے، عبرت خیز بھی ہے اور قابلِ فخر بھی، اس واسطے اسے ضبطِ تحریر میں لانا اور دنیا کے سامنے پیش کرنا قومی فریضہ تھا، جس کو میں نے انجام دینا ضروری سمجھا۔

لکھنؤ کی شام:۔ گھڑی دن چڑھے لکھنؤ پر بہار آتی ہے۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے پرانے لوگ جریب، نوجوان چھڑی ہاتھ میں لئے سڑکوں اور گلیوں میں نظر آتے ہیں۔ کسی کا محلہ میں کسی کے یہاں بیٹھنے کا معمول ہے۔ بعض دکانیں احباب کا اڈہ ہیں۔ کمپنی باغ تفریح گاہ ہے۔ گرمیوں میں بینچوں اور گھاس پر احباب کی ٹولیاں ہوتی ہیں، دلچسپی کی باتیں اور شعر و شاعری ہوتی ہے۔ حضرت گنج لندن کا بازار معلوم ہوتا ہے۔ امین آباد فینسی چیزوں کا بازار ہے۔ چینی کے برتن، گھڑیاں، سائیکلیں، بچوں کی گاڑیاں، اعلیٰ قسم کے کپڑے، جوتے، ٹوپیاں، کتابیں اور طرح طرح کے سامان کی بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ ایسا عمدہ سامان شہر میں کہیں اور نہیں ملتا۔ چاروں طرف دکانیں ۔۔۔۔ بیچ میں بہت بڑا پارک ہے، جس میں سبزہ لگا ہے، جہاں لوگ بیٹھتے ہیں اور دلچسپی کی باتیں کرتے ہیں اور نمازِ مغرب جماعت سے پڑھتے ہیں۔ مجمع کی کثرت سے کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔

وکٹوریا اسٹریٹ: یہاں ایک طرف بزازا ہے، دوسری طرف ہر قسم کی دکانیں ہیں۔

پارچہ والی گلی: یہ کڑھی ہوئی دو پلی ٹوپیوں اور کرتوں کا بازار ہے۔

چاول والی گلی: سونے چاندی کے زیور اور دلہن دولھا کے پر تکلف جوڑوں کی یہاں دکانیں ہیں، جہاں یہ سب چیزیں کرایہ پر ملتی ہیں۔

چوڑی والی گلی: یہاں صرف چوڑیوں کی چھوٹی بڑی دکانیں ہیں۔

پھول والی گلی: یہ گلفروشی کا بازار ہے۔

یحیٰ گنج: یہاں تانبے اور پیتل کے برتنوں کی بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں۔ اسی کے برابر مسی گر اور قلعی گروں کی دکانیں ہیں۔

میوہ والی سرئی: یہ اچار، چٹنی، سرکہ، عرق نعناع اور مربوں کا بازار ہے۔

ڈالی گنج: یہ غلہ کی بہت بڑی منڈی ہے۔ ہر بازار کی ایک خاص خصوصیت اور اس کی چہل پہل کی خاص نوعیت ہے۔

چوک کی سڑک: در اصل لکھنؤ کی شہ رگ ہے، جس میں خون کی جگہ شراب وشکر جاری وساری ہے۔

''ساری دنیا میں آفتاب چاہے جب طلوع ہو، لیکن یہاں طلوع ہوتا ہے شام ہی کو اور جب صبح ہوتے ہوتے وہ غروب ہوتا تو خدا جانے حسن ومحبت کی کتنی داستانیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ جھٹپٹا ہوتے ہی وہ پردہ گیانِ حریمِ ناز کا اہتمام دلربائی، وہ حوریان بزمِ سوز وساز کی جلوہ فرمائی''، نیاز فتحپوری۔

''کوئی گوری، کوئی کالی، کوئی سانولی۔ خدوخال اس قدر باریک، گویا ہیرے کے قلم سے ترشے ہوئے ہیں۔ کوئی کڑیل جوان، کوئی نوجوان، کوئی ان دونوں کے درمیان۔ ہمکتی ہوئی اٹھان، کوئی گٹھے جسم کی، کوئی دھان پان، کسی کی ناک میں نتھ کسی کی ناک میں نیم کا تنکا'' جوش ملیح آبادی۔

''ہر ایک حسن میں یکتا۔ چاند سا چہرہ، کالے کالے بال، پھول سے گال، سروسا قد، حور کی صورت، پری کی خصلت، ہرن کی چھلبل، چکور کی چال، مور کی طرح مست، تارے کی طرح چمکتی کوٹھوں پر دل چھیننے اور جان لینے کے لئے بیٹھتی ہیں:

خونیں نگہاں ، کرشمہ کوشاں
ہم خنجر و ہم نمک فروشاں

مولانا قبول محمد

''وہ سارنگیوں کی تھرتھراہٹ کے ہواؤں میں ہلکورے، وہ گمکتے ہوئے طبلے، بالا خانوں کے چھجوں سے وہ مکھڑوں کی برستی ہوئی چاندنی اور زلفوں کے گرتے ہوئے سیاہ آبشار۔

جوش ملیح آبادی''۔

''وہ فردوس گوش نغمہ ہائے جانگداز، وہ جنت نگاہ عشوہ ہائے ناز وہ فضائے مشکبو، وہ صدائے ہاؤ ہو۔۔۔ گویا ایک سیلاب تھا رنگ ونور کا، ایک تلاطم تھا نشاط وسرور کا یا بقول غالبؔ:

عرش سے تا فرش اک طوفانِ موجِ رنگ تھا

نیازؔ فتحپوری

شعرا کے یہاں شاگردوں کے مجمع اور سیفِ سخن پر صیقل کا وقت بھی یہی تھا اطباء کا درس بھی اسی وقت شروع ہوتا تھا اور علماء کے درس کا وقت بھی یہی ہوتا۔ کوئی محلہ ایسا نہیں ہوتا، جہاں متعدد علماء کی مسندِ درس بچھتی ہو اور اس کے حاشیہ پر طلباء نہ ہوں۔

شفا واشارات کے غوامض، صدرو شمسِ بازغہ کے مطالب اور افق المبین کی نہیں معلوم کتنی گتھیاں سلجھا کے لکھنؤ کا آفتاب ڈوبتا اور اذانِ مغرب سے فضا گونجتی، رات کی تاریکی خیمہ لگاتی اور ساز وآہنگ کی لہریں ناچنے لگتیں۔ اسی نغمہ وسرود والی رات میں، اسی کیف وسرور والی رات میں اسی ناز ونیاز والی رات میں ایسے گوشے بھی تھے، جو عبد ومعبود کے راز ونیاز سے روشن ہوجاتے۔ تسبیح وتہلیل کی آوازیں بلند ہوتیں اور صلوٰۃِ نیم شبی سے محرابِ عبادت گونجتی اور رات کی اسی ہنگامہ خیزی میں ہزاروں

اشہبِ قلم میدانِ تحقیق میں اسی طرح دوڑتے کہ سینا و فارابی کی روح پھڑک جاتی۔

☆☆☆

(۲) لکھنؤ کی مادری زبان و بیگماتی زبان

لکھنؤ میں جو زبان گھر کے اندر بولی جاتی ہے، وہ اہل لکھنؤ کی مادری زبان ہے، جو عورتوں کی بنائی ہوئی ہے۔تمام علماء، فضلاء شعراء، ادباء گھر کے اندر یہی زبان بولتے ہیں ۔لکھنؤ کی شریف زادیاں مردوں کی طرح ثقیل لفظیں اور ترکیبیں بولنا اپنی نسوانیت کے خلاف سمجھتی ہیں ۔مثلاً مرد کہتے ہیں ''آداب بجا لاتا ہوں''، ''تسلیمات عرض کرتا ہوں''عورتیں صرف ''تسلیم کہتی ہیں'' اور ''لیم'' کی آواز کو کھینچ کر اس میں اتار چڑھاؤ پیدا کرکے، محبت اور اشتیاق کا مفہوم پیدا کرتی ہیں، مگر بزرگوں کو صرف ''تسلیم'' کہتی ہیں، جس میں اتار چڑھاؤ نہیں ہوتا۔مرد کہتے ہیں ۔مزاج عالی، مزاج اقدس، مزاج مقدس، مزاج معلیٰ ،مزاج گرامی ،مزاج مبارک۔عورتیں کہتی ہیں کیسی ہو، اچھی ہو، خیریت سے ہو، سب خیریت ہے ۔ بزرگوں سے مزاج پرسی نہیں کرتیں ،نہ بزرگ خوردوں سے مزاج پرسی کرتے ہیں ۔ یہ خوردی اور بزرگی کے آداب ہیں۔مرد کہتے ہیں: ''کربلائے معلیٰ''عورتیں ''دھر کی کربلا کہتی ہیں''۔لکھنؤ میں کربلائیں بہت ہیں، جو اپنے بانی یا مقام کے نام سے مشہور ہیں۔جیسے پار کی کربلا، دیانت الدولہ کی کربلا، تال کٹورے کی کربلا۔۔۔اس وجہ سے عورتیں ''کربلائے معلیٰ'' کو ''دور کی کربلا'' کہتی ہونگی، جو رفتہ رفتہ ''دُھر کی کربلا ہوگئی۔''

اس کے علاوہ بہت سی لفظیں عورتوں نے اپنے مزاج کے موافق بنالیں ہیں۔جیسے: نعوذ باللہ کو نوج، صریحاً کو سرین، جزوی کو جزبی، مسمار کو بسمار، من وسلویٰ کو سلومن ، برکت کو بھدرک ، طعن وطنز کو تان وتروز ،صبر کو صَبَر ،صبر وشکر کو صَبَر شکر (صبر کی 'ب' اور شکر کا 'ک' مفتوح)۔اس کے علاوہ بہت سی لفظیں محاورے، روزمرہ اور ضرب المثل عورتوں کے بنائے ہوئے ہیں، جو انھیں کے ساتھ مخصوص ہیں، مرد نہیں بولتے ۔اس کے علاوہ جو عورتوں کی بنائی ہوئی لفظیں بہت سی ہیں جنھیں مرد بھی بولتے ہیں۔مثلاً افیون کو 'افیم' مبہم کو 'مکھم' ، تنور کو 'تندور' لیمو کو 'نیبو' کباب کو 'کواب' سیخ کو 'سیک' ، سیک کے کواب ، بوٹیوں کے کواب ،ٹکیہ کے کواب ، پتیلی کے کواب ، نیبو کا آبشورہ ،تندوری پراٹھے زبان زد ہے ۔نیبو نہاری کا ساجھا ضرب المثل ہے ۔ہم نے کسی عالم سے بھی تنوری پراٹھے اور لیموں کا آبشورہ نہیں سنا۔برہمن کو بہمن سب کی زبان پر ہے۔ان میں بہت سے الفاظ شعراء نے نظم بھی کئے ہیں۔مصحفیؔ کا مصرع ہے ؎

شفق شام نے بھی شام سے کھائی ہے افیم

آرزوؔ صاحب کہتے ہیں ؎

مکھم بات پہیلی ایسی، کوئی نہ بوجھے جس کو بجھائے

ظریفؔ صاحب کا مصرع ؎

یہ فقط نیبو لگا کر ہیں کھجاتے دادِ قوم

ان کا شعر ہے ؎

ماش کی دال جو بہمن کو ملی کھانے میں
جاکے ناقوس بجانے لگا پیخانے میں

اس طرح کے بہت سے الفاظ ہیں جو تلاش سے شعراء کے یہاں مل جائیں گے۔

لکھنؤ میں جو گھر دیوار بیچ ہوتے ہیں، ان کی دیوار میں اتنی بڑی کھڑکی ہوتی ہے کہ آدمی جھک کے نکل جائے۔جب ایک گھر میں کوئی مرد نہیں ہوتا تو دوسرے گھر کی عورتیں کھڑکی سے دوسرے گھر میں چلی جاتی ہیں اور بات چیت کرکے دل بہلا لیتی ہیں ۔کبھی گھر میں کوئی اور نہ ہوا صرف بچے ہوئے تو کھڑکی میں بیٹھ کر بات کر لیتی ہیں۔اس طرح گھر کی بھی خبر رہتی ہے۔

آج ہم آپ کو لکھنؤ کی دو بیگموں کی بات چیت سناتے ہیں۔ایک کا نام نزکن بیگم ہے، دوسری کا کامنی بیگم ہے۔

لکھنؤ کی بیگماتی زبان

نزکن بیگم اپنے گھر کی کھڑکی سے کامنی بیگم کے گھر جاتی

ہیں:۔

نزکن بیگم: بہن! تسلیم۔

کامنی بیگم: تسلیم! آج کہاں بھول پڑیں۔

نزکن بیگم: کیا بتاؤں، سارا دن گھس بڑ کرتے گذرتا ہے۔ دم مارنے کی مہلت نہیں ملتی۔ آج بہت سے کام تج کے تم سے ملنے آئی ہوں بہت دن سے تمھیں نہیں دیکھا تھا۔ جی لگا تھا۔

کامنی بیگم: ایک ما مار کھ لو۔

نزکن بیگم: رکھی تھی، موئی دیدہ پھٹی۔ چھپ تختی دکھاتی، پانچ پھولوں میں تلتی، پان کی گلوری کلے میں دبی۔ آئی، جھپا جھپ چار برتن مانجھے، کھانا پکایا، وہ بھی گت کا نہیں۔ کبھی مرچ تیز، کبھی نمک، جانے کی جلدی میں اہل دلی سے کام نہیں کرتی تھی۔۔

کامنی بیگم: کوئی چربانک ہوگی۔

نزکن بیگم: ہاں! ایک دن کھانا پکاتے میں سر جھکا کے کن انکھیو سے میرے میاں کی طرف دیکھ کے مسکرائی۔ میں نے دیکھ لیا۔ اسی وقت اس کا حساب کر دیا۔

کامنی بیگم: تمہارے میاں تو کلیجہ پکڑ کے رہ گئے ہوں گے۔

نزکن بیگم: نہیں! وہ ایسے نہیں ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں۔ میں کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتا۔

کامنی بیگم: تم مردوں کے چن فن سے واقف نہیں۔ تمہارے میاں تم سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے تمہارا دل رکھ لیتے ہیں۔ تم سمجھتی ہو کہ مجھی تک ہے۔ میرے میاں جب مجھ سے چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں تو میں کہتی ہوں:

چلو مجھے چوچو پوچو اچھی نہیں لگتی۔ دن کا دن غائب رہتے ہو۔ ادھ رتیا کو آتے ہو۔ میں گھر میں بیٹھی گھڑیاں گنتی رہتی ہوں۔ اب آتے ہوں گے، اب آتے ہوں گے۔ آئے ان کی بلا! وہ کہتے ہیں۔

کیا میں گھر گھسنا ہوں، جو گھر میں بیٹھا رہوں؟'' میں کہتی ہوں۔''

''میں نے کب کہا کہ دن بھر گھر میں بیٹھے رہو۔ آدمی وقت سے گیا، وقت سے آ گیا۔ تم رات گئے تک کیا کرتے ہو؟''

وہ کہتے ہیں:

''کمانے کی فکروں میں لگا رہتا ہوں۔'' میں کہتی ہوں، ''مجھے تو بندھی ہوئی تنخواہ لا کے دیتے ہو۔ وہ کمائی کس کے کلیجے میں اتر جاتی ہے؟''

وہ: آخر میرے بھی تو کچھ اخراجات ہیں۔

میں: وہ کون سا خرچ ہے، جو مجھ سے چھپا کے کیا جاتا ہے؟

وہ: تم سے بحث کون کرے؟

جب میں دھر بگیر کرتی ہوں تو بنائے نہیں بنتی۔ غٹ غوں کر کے رہ جاتے ہیں۔

نزکن بیگم: میرے میاں ایسے نہیں ہیں۔

کامنی بیگم: اچھا ہے! تم یہی سمجھتی رہو۔ تمہارا کلیجہ تو ٹھنڈا ہے۔

نزکن بیگم: بیٹیاں کہاں ہیں؟

کامنی بیگم: باجی اماں کے یہاں رتجگے میں گئی تھیں۔ صبح ہوتے آئی ہیں۔ سو رہی ہیں۔

نزکن بیگم: خدا رکھے! اب کیا سن ہو گیا؟

کامنی بیگم: انگنا برس ہے۔

نزکن بیگم: اب تو شادی کا سن آ گیا۔

کامنی بیگم: ہاں! جب خدا چاہے گا، سہرے کے پھول کھلیں گے۔

نزکن بیگم: تمہارے ماموں کے لڑکے کی تو ٹھیکرے کی منگیتر ہے۔ اس کے ساتھ کر دو۔

کامنی بیگم: دوئی بیوی! تم کہاں رہتی ہو؟ اس کی تو شادی بھی ہو گئی۔

نزکن بیگم: سچ کہو! کہاں ہوتی؟

کامنی بیگم: خالہ کی لڑکی سے۔

نزکن بیگم: جہیز کیا ملا؟

کامنی بیگم: جہیز کی بھلی چلائی۔ وہی ماں کے بوری بوری کچھ جوڑے، انہیں کے ہاتھ گلے کے دو چار ٹونگ چھلے، تانبے کے دو چار ٹھیکرے۔ موئی بچھیا بہمن کے نام۔

نزکن بیگم: چلو! دوسر تو جڑ گئے۔ جہیز کے دن کا۔ صورت شکل کیسی ہے؟

کامنی بیگم: چندے آفتاب ، چندے ماہتاب بوٹا سا قد، کامنی سی مورت، نکھ سکھ سے خوبصورت۔

نزکن بیگم: میاں کا کیا حال ہے۔

کامنی بیگم: دیکھے جیتا ہے۔

نزکن بیگم: پھر کیا چاہئے پیٹ سے ہے؟

کامنی بیگم: دوئی بیوی! کل پڑی بوند، آج نام میاں محمود۔ ابھی شادی کو کے دن ہوئے ہیں۔

نزکن بیگم: تخت کا بھی ہوتا ہے۔

کامنی بیگم: اگر تخت کا بھی ہے تو دو، چار مہینے میں کھلے گا۔

نزکن بیگم: تمہارے جیٹھ کا لڑکا بھی تو سمجھدار ہوگیا ہے۔

کامنی بیگم: میں تو اس گھر میں اپنی لڑکی نہیں دوں گی۔ جیسا باپ ہے، ویسا ہی بیٹا ہوگا۔

نزکن بیگم: ان میں کیا کیڑے پڑے ہیں؟

کامنی بیگم: تمھیں نہیں معلوم ۔ ملکہ بیگم پوتڑوں کی رئیس زادی بے اولادی تھیں۔ یہ ان کے مکان کے پاس رہتے تھے۔ لمبی داڑھی، ہاتھ میں تسبیح مقطع چقطع رہتے تھے۔ وہ سمجھیں دیندار آدمی ہے، اپنے وقف کا متولی بنا دیا۔

ان کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ متولی ہو گئے۔ نیک کام جتنے تھے، سب بند کر دیئے اور گلچھرے اڑانے لگ۔ بیواؤں کی جو تنخواہ بندھی تھی، وہ بھی بند کر دی۔ جب انھوں نے تقاضا کیا تو کہا، مجھے معلوم ہوگیا ہے۔ تم لوگ بیوہ نہیں رہیں۔ الٹی آنتیں ان کے گلے میں ڈال دیں ۔ وہ بیچاریاں عزت آبرو والی تھیں۔ سوچیں کہ داد فریاد کروں گی تو یہی الزام لگائیں گے۔ مفت میں رسوائی ہوگی۔ صبر کر کے بیٹھ رہیں۔ اندھے کی داد، نہ فریاد۔ اندھا مار بیٹھے گا، والی ہائی ہوئی۔

نزکن بیگم: کوئی پوچھنے والا نہیں؟

کامنی بیگم: اس کا بھی قصہ ہے۔ باپ بڑا بیٹا سمجھ کے اپنی ساری جموتی انھیں دے گئے تھے۔ کہ میرے بعد حصہ رسد بانٹ دینا۔ سب ان کے پیٹ میں اتر گئی۔ میں نے اپنے میاں سے کہا:

تم کیوں دَبرو گھسڑ و بنے ہو۔ اپنا حصہ کیوں نہیں مانگتے۔ انھوں نے کہا:

میں بڑے بھائی سے لڑائی مول نہیں لوں گا۔ بہن بھی چپکی ہو رہیں۔ سوتیلا بھائی دشمن ہوگیا۔ اس نے اپنے حصہ اور وقت کی حساب فہمی کی نالش کرنا چاہی۔ نواب دلارے مرزا ان کے ولی کھنگڑ آڑے آ گئے۔ اس کو بلا کے نیچ اونچ دکھا کے تتو تھمبو کر دی۔ اب وہ چین سے ہو گئے ۔ ڈاڑھی ہلتی رہتی ہے، تسبیح چلتی رہتی ہے ۔ رام رام جپنا، پرایا مال اپنا کرتے رہتے ہیں۔ اور نواب دلارے مرزا کی ٹلے نویسی میں لگے رہتے ہیں۔ وہی انکی برائیوں کو دبو دبو کر دیتے ہیں ۔ جس کا مال ہتھے چڑھا ، دھر غلق میں۔ اگر اس نے فریاد کی تو ایسا پھندا اس کے گلے میں ڈالا کہ اف نہ کر سکا۔ اگر کنویں بانس ڈالو گی تو ایسا قابو چی نہیں ملے گا ۔ جس دن ستر بھوت پیدا ہوئے تھے، اس دن وہ پیدا ہوئے تھے۔ غضبِ خدا! چھوٹے بھائی بہن کا حصہ ہضم کر گئے۔ نہ خدا کا ڈر، نہ پنچ کا۔

نزکن بیگم: خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ کوئی بھی جیسے کو تیسا مل جائے گا۔ ساری بائی کچائی نکال دے گا۔ سب کھایا پیا، اگلوا لے گا۔

کامنی بیگم: اگلوا کیا خاک لے گا! ان کے پاس دھرا کیا ہے۔ ایسے پیسے میں کہیں بھدرک ہوتی ہے ان کا ذکر نہ کرو۔ لو! تمھیں پان تو کھلا دوں۔

نزکن بیگم: پان نہیں کھاؤں گی۔منہ کٹ گیا ہے۔
کامنی بیگم: اتنا چونا کیوں کھالیا۔
نزکن بیگم: بازار سے چونا منگوایا تھا۔دہی کا توڑ نہیں ملا، پانی سے بجھا دیا۔اس سے منہ کٹ گیا۔
کامنی بیگم: کھوپرا چبالو۔
نزکن بیگم: ہاں ! کسی سے منگواؤں گی ۔تمہارے بیٹے کا کیا حال ہے۔
کامنی بیگم: موالونبڑ ہوگیا۔خدا موت دے!ایسی اولاد سے بے اولاد ہونا اچھا۔
نزکن بیگم: اے نوج!خدا نہ کرے۔ چھائیں پھوئیں دور پار، شیطان کے کان بہرے ۔موت آئے انگریز بندوں کو! اکلوتا بچہ تمھارے گھر کی رونق ہے۔اس کے دم سے تمہارے گھر کی آبادی ہے۔
کامنی بیگم: پھٹ پڑیں وہ بالیاں، جن سے ٹوٹیں کان! مجھے تو پھوٹی آنکھ اچھا نہیں لگتا۔
نزکن بیگم: کیا کرتا ہے؟ جو اتنی بیزار ہو؟
کامنی بیگم: صبح ہوئی، وہ ہے اور کنکوّا ہے۔دن بھر لقر لقر کرتا پھرتا ہے ۔نہ کھانے کی سدھ ،نہ پینے کی دو نوالے کھائے اور بھاگا۔آنکھیں ڈھکر ڈھکر کرنے لگیں۔
نزکن بیگم: کہاں کنکوّا اڑاتا ہے؟
کامنی بیگم: بارہ دری کے صحن میں۔
نزکن بیگم: اکیلا؟
کامنی بیگم: اکیلا کیوں ہرمزی خانم کا لڑکا ،محلہ کے لقندرے جمع رہتے ہیں ۔ان میں نواب ثریا قدر بھی سینگ کٹا کے بچھیڑوں میں داخل ہوگئے۔مانجھا سوتنا، کنّا باندھنا، پیچ لڑانا سب انھیں کا سکھایا ہوا ہے۔خود جب کوئی پیچ کاٹتے ہیں تو وہ کاٹا ! کی آواز یہاں تک آتی ہے ۔ایک دن میں نے اپنے میاں سے کہا:
سنا تم نے وہ مسکرا کے چپ ہو رہے، میں نے کہا: آخر ان کیوں نہیں کہتے کہ نہ آیا کریں۔
انھوں نے کہا:
کیا تم نے ان کو کوئی دھنیا منگیا سمجھا ہے۔
بڑے بڑوں کے پر ان کے آگے جلتے ہیں۔
یہی کیا کم ہے کہ تمھارا لڑکا دن بھر اپنے گھر میں رہتا ہے۔ آخر رات کو مولوی صاحب آتے ہیں ،ان سے پڑھتا بھی تو ہے۔میں نے کہا:
یہ سب تمھاری ڈھیل کا نتیجہ ہے۔
نزکن بیگم: سمجھدار ہوگا تو چھوڑ دے گا۔
کامنی بیگم: بہن کی باتیں ،ایسی عادتیں کہیں چھوٹتی ہیں۔بچپنے سے سنتی آرہی ہوں کہ نواب اغن صاحب نے میدان بدا ہے۔کنکوّا لڑ رہا ہے۔
نزکن بیگم: ایک اغن صاحب ایسے نکل گئے۔سب ایسے تھوڑی ہوتے ہیں۔
کامنی بیگم: ایک اغن صاحب ہی پر کیا ہے ان سے کنکوّا لڑانے والے بھی تو کچھ ہوں گے۔
نزکن بیگم: بھئی! آجکل لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تمہارا لڑکا کنکوّا لڑاتا ہے،میرا لڑکا بٹیریں لڑاتا ہے باپ گھر سے نکلے،اس نے کابک سے بٹیر نکالی اور یہ چل، وہ چل ۔کہاں گیا، پھر کچھ پتا نہیں۔سمجھاتی ہوں تو الٹے مجھی کو غرّے ڈبے دکھاتا ہے۔باپ کی مار پیٹ کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔نو سو کے مرے ڈَنٹر پر لکھے۔کسی کی نصیحت نہیں سنتا ۔ چکنا گھڑا ہے ،مگر کیا کروں۔ دو بچیاں ہیں۔ایک اپنے گھر کی ہوگئی، دوسری بھی اپنے گھر چلی جائے گی ۔یہی اکیلا گھر کا چراغ ہے ۔ مامتا سے مجبور ہوں ۔صدقے واری ہوتی رہتی ہوں ۔سونچتی ہوں کہ سمجھدار ہوگا۔شادی بیاہ ہوگا ،بال بچے ہوں گے تو سدھر جائے گا۔
کامنی بیگم: تمھارا ایسا میرا دل نہیں ہے، نہ ایسی مامتا رکھتی ہوں۔برائیوں کو سلومن نہیں کرسکتی۔تمہاری بٹیا کیسی ہیں؟

نزکن بیگم: بہن کیا بتاؤں، پہلا بچہ تھا پیٹ گر گیا اب پھر پیٹ سے ہے اب سے دور، ہزار قرآن درمیان، میرے بھی شروع کے دو پیٹ گر چکے ہیں۔ اس کے بعد یہ تین پھوسڑے دکھائی دیئے ہیں اس سے اس کی طرف سے دل دھڑکتا رہتا ہے۔ دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔ بوباجی نے کہا کہ شاہ میر خان کا تعویذ ایک برایک ہے۔ ان سے تعویذ لائی ہوں۔ درگاہ میں چلہ باندھا ہے، منت مانی ہے کہ اصل خیر سے جیتا جاگتا بچہ پیدا ہوگا تو مسجد میں طاق بھروں گی، گھی کے چراغ جلاؤں گی رحم اور گلگلے چڑھاؤں گی۔

کامنی بیگم: خدا کرے چاند سا بیٹا پیدا ہو!

نزکن بیگم: تمھارے منہ میں گھی شکر

کامنی بیگم: میاں کا کیا رنگ ہے؟

نزکن بیگم: خدا ایسا داماد سب کو دے! پروانہ ہے، چاند کا چکور ہے۔ منہ ہی دیکھتا رہتا ہے۔ تیوری پر بل نہیں آنے دیتا۔

کامنی بیگم: ساس نندوں کا کیا برتاؤ ہے۔

نزکن بیگم: نندیں بن بیاہیاں ہیں۔ بھائی سے آس لگائے بیٹھی ہیں کہ وہی پار لگائے گا۔ بھاوج سے دل میں جلی جلی، منہ پر علیؑ علیؑ کرتی رہتی ہیں پھر بھی مکھم مکھم میں تان تر وز کر کے دل کی بھڑاس نکال لیتی ہیں۔ جب وہ میاں سے شکایت کرتی ہے تو وہ کہتے ہیں چپ رہو۔ کے دن کی ہے میں نے بھی سمجھا دیا ہے کہ بٹیا ٹھیپڑی بجا کے لڑنا اچھا نہیں۔ محلہ والے سنیں گے تو کہیں گے، بہو چوبائی ہوا ہے۔ کبھی ساس سے لڑتی ہے، کبھی نندوں سے لڑتی ہے۔ ساس بڑی کنکالا ہے۔ ہر وقت جلی کٹی کرتی رہتی ہے، کونچنے دیتی رہتی ہے۔ چاہتی ہے کہ ٹھیپڑی بجے، مگر وہ ایک چپ ہزار چپ۔ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی ہے۔ بڑی بہو کو نکال چکی ہے۔ ہر وقت کے نک توڑے کہاں تک سہتی۔ اس کی بھی للّو بارہ ہاتھ کی ہوگئی۔ برابر سے جواب دینے لگی۔ وہ کہتی۔ تجھے پیٹوں، تیرا حلوہ کھاؤں! یہ کہتی تجھے ہے ہے کروں، تیری بھتی کھاؤں!

آخر بیٹا عاجز آ کے اپنی بیوی کو لے کے الگ ہو گیا اس کو بھی چین آ گیا، اس کے بھی پتروں پانی پڑ گیا۔ یہی میری بچی کے ساتھ بھی چاہتی ہے میں نے سمجھا دیا ہے۔ کہ لپٹش ہوگئی۔ نہ منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت۔ کے دن کی ہے۔ نندیں بھی اپنے گھر کی ہو جائیں گی، پھر تم ہی تم ہوگی۔ اس کا دل بھی میاں کی طرف سے قوی ہے۔ صَبر شکر سے بیٹھی ہے۔

کامنی بیگم: چھوٹی بٹیا کیسی ہے؟

نزکن بیگم: خدا رکھے! سینا پرونا پکانا ریندھنا، کیا نہیں آتا۔ پانچ انگلیا، پانچ چراغ ہیں۔ ٹوپیاں تک کاڑھ لیتی ہے۔ تیپچی مرّی، پھندا کا کاڑھنا، سب کچھ آتا ہے، بات کرنے میں پھول جھڑتے ہیں۔ تننے تو دیکھا ہے۔ صورت شکل میں بھی ہزاروں میں ایک ہے۔ جانگروالی ہے، ہبک دھبک کے سارا کام کر دیتی ہے۔ چاہتی ہے کہ میرے پیٹ کا پانی نہ ہلے، تنکا نہ توڑوں، مگر میں برابر سے شریک رہتی ہوں کہ بچی ہے، ساری گھرداری کا بوجھ اس پر نہ پڑے۔ جس گھر جائے گی، قدردان ہوں گے تو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔

کامنی بیگم: کہیں سے بات آئی۔

نزکن بیگم: جس گھر میں بیری ہوتی ہے، اس پر ڈھیلے آتے ہی رہتے ہیں۔ پیام تو بہت آئے ہیں، مگر باپ راضی نہیں ہوتے۔ کہتے ہیں کہ دو، چار برس شادی نہیں کریں گے۔ کجاوے لا دکے جہیز دیں گے۔ جب خدا چاہے گا تو کنگنا بندھے گا، شادی رچے گی۔ بندے کے سوچے کچھ نہیں ہوتا۔ اب ان کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔ جاتی ہوں۔ پھر کسی دن آؤں گی۔ تو جی بھر کے باتیں کروں گی۔

خدا حافظ!

کامنی بیگم: میں بھی کسی دن آؤں گی۔ خدا حافظ!

یہ ہے لکھنؤ کی بیگماتی زبان، جو میں نے اس لئے لکھ دی ہے کہ یہ داستان ناگفتہ نہ رہ جائے۔

